اردو میں تانیثی تنقید کا تجزیاتی مطالعہ

کلیدی الفاظ: #اردو# تانیثی تنقید# تجزیاتی مطالعہ

سراج انور محمد میراں

پی ایچ ڈی اردو اسکالر، سوامی رامانند تیرتھ مراٹھواڑہ

یونیورسٹی، ناندیڑ۔موبائل 9021745378

تلخیص:

اس مقالہ میں تانیثی تنقید کے ارتقائی سفر کو عالمی سطح، ملکی سطح اور ادبی سطح پر پرکھتے ہوئے تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے۔ تانیثیت، تانیثی تنقید اور نسائی تنقید کی تاریخ اور اس کے ارتقاء پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اردو ادب میں تانیثیت، تانیثی تنقید اور نسائی تنقید مغرب کی دین ہے۔ عالمی سطح پر اس کی ابتداء سب سے پہلے فرانس، امریکہ اور برطانیہ میں ہوئی پھر مختلف ممالک میں سفر پذیر ہوتی ہوئی یہ ایشیا میں داخل ہوئی اور پھر پاکستان اور بنگلہ دیش کے بعد اس کی آہٹیں اب ہندوستان میں سنائی دینے لگیں ہیں اور ہندوستان کی دیگر زبانوں کے ادب کے باہم اردو ادب میں بھی یہ اپنے رجحان کو داخل کر چکی ہے۔ عالمی سطح پر فرانس، امریکہ، برطانیہ، جرمنی، چین، جاپان، اٹلی، عرب، ایران، ایشیا، پاکستان، بنگلہ دیش میں تانیثی منظر نامہ کو پیش کیا گیا ہے ملکی سطح پر ہندوستان میں تانیثی نظریات سے قبل ہی پیدا ہوئی تعلیم نسواں کی تحریک کا مکمل جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس جائزے میں قدیم ویدک دور سے لے کر حالات حاضرہ تک خواتین کے مسائل اور ان کی ترقی کے کل باب پر روشنی ڈالی گی۔ ادبی سطح پر تانیثی تناظر کا جائزہ لینے سے قبل ادب میں عورت کے تصورات، احساسات اور مفروضات کے دائرہ اور حدود کی وسعتوں کو ناپا ہے۔ امیر خسرو سے لے کر دور حاضر کی شاعری، ناولوں، افسانوں، ڈراموں، تحقیق وتنقید، غیر افسانوی نثر میں تانیثی

رجحان کی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ساتھ ہی خواتین قلم کاروں کا تمام تر ادبی خدمات کا احاطہ پیش کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔ادبی سطح پر جن خواتین ادیباؤں نے اردو شعر وادب اور نقد ادب میں اپنے نسائی شعور اور تانیثی جذبات ومحسوسات ومفروضات اور مشاہدات کو بیان کیا ہے ان خواتین کا نام اور تخلیقات کی بھی نشاندہی اس مقالہ میں کی گئی ہے۔ساتھ ہی تانیثی تنقید ونسائی تنقید کے تحت لکھنے والی خواتین نقاد اور ان کی تخلیقات کی بھی نشاندہی کی گئی۔

جہاں تک تانیثی تنقید کے امکانات ہیں تو ہمیں تخلیق کی طرح تنقید میں بھی تانیثی ادب کی معتبر مستند اور اعلیٰ تنقید کی دریافت کرنی ہوگی اور اس کی اشاعت کے علاوہ اس پر واضح دلائل اور منطقی نظر ثانی بھی کرنی ہوگی تاکہ تانیثی تنقید کا یہ دبستان باوقار اور اپنی مستند حیثیت کو حاصل کر سکے۔خواتین کے اول تا آخر تمام تحقیقی وتنقیدی سرمائے بغیر کسی جنسی وصنفی تفریق کے زماں ومکاں سے بالاتر ہوکر اپنی شناخت درج کروا سکے اور اس غلط فہمی کو دور کرنا ہوگا کہ تانیثی ادب وتانیثی تنقید پدرانہ نظام یا مرد حضرات کے خلاف لکھنے کا حربہ ہے۔چونکہ اب تانیثی ادب وتانیثی تنقید کے تقاضے بدل چکے ہیں۔تانیثی ادب وتانیثی تنقید محض خواتین کے تخلیق وتنقید کا ایک ایسا رجحان ہے جو صرف وصرف خواتین کی حوصلہ افزائی کرتا ہے اور ان کو بنا کسی خوف وخطر کے لکھنے کی آزادی دیتا ہے اور بہت جلد اس بات کے امکانات ہیں کہ تانیثی ادب وتانیثی تنقید پر محض خواتین ہونے کا لیبل بھی ہٹ جائے گا۔جس طرح آج مرد تانیثی تنقید کے تحت خواتین کے قدیم اور جدید سرمائے کی دریافت، اشاعت اور تعین قدر کر رہے ہیں۔آنے والے وقت میں یہ بناء کسی قراہیت کے ساتھ تانیثی ادب اور تانیثی تنقید کے تحت بناء جنس وصنفی تفریق کے محض رجحان کے تحت اعلیٰ ادب خلق ہوگا اور اردو ادب کے قیمتی سرمائے میں اضافے کا سبب بھی ہوگا۔

تانیثیت (Feminism) انیسویں صدی میں ابھرنے والی اہم سیاسی، سماجی اور ادبی تحریک ہے۔اس تحریک کا آغاز حقوق نسواں کی تحریک کے تحت اٹھنے والے مطالبات سے ہوا اور Feminism کی اصطلاح بعد میں سامنے آئی۔تاہم فیمنسٹ نظریات اس سے بہت پہلے

سے موجود تھے۔اردو میں Feminism کے متبادل تانیثیت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ تانیثیت کا اسم کیفیت تانیث ہے۔لفظ تانیثیت عربی زبان کے لفظ تانیث سے نکلا ہے جس کے لغوی معنی مونث کی علامت لگانا ہے۔تانیثیت انگریزی لفظ فیمنزم (Feminism) کی اردو اصطلاح ہے۔ Feminism لاطینی زبان کے لفظ Femina سے مشتق ہے۔Femina کے معنی عورت عورتوں کا وغیرہ اور ism سے مراد نظریہ کے ہیں یعنی فیمنزم کے معنی تانیثی نظریہ یا تانیثیت کے ہیں۔مختلف دور میں تانیثیت یا Feminism کی مختلف تعریفیں وضع کی گئی ہیں۔ مغرب میں بھی Feminism کی مکمل اور جامع تعریفیں ملتی ہیں۔فیمنزم کا تعلق تحریک نسواں سے ہے۔کبھی اسے عورتوں کا نظریہ کہا گیا تو کبھی عورتوں کی حمایت کرنے والوں سے جوڑا گیا۔ ہندی والوں نے اسے ناری آندولن، استری ومرش جیسے نام دیے اور اردو ادب میں بھی اس کے لیے بہت سے نام وضع کیے گئے۔

مثال کے طور پر حقوق نسواں، آزادی نسواں، تانیثی تحریک اور تانیثیت وغیرہ وغیرہ۔یعنی تانیثیت خواتین کو مردوں کے مساوی حقوق دلانے کی وکالت کرتی ہے۔

''تانیثیت ایک ایسی تحریک کا نام ہے جو سماج میں مرد وعورت کے درمیان سماجی، سیاسی، اقتصادی برابری کرنے کی سعی کرتی ہے اور عورت مرد کے رشتوں میں موجود فرق کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔'' اکثر لغات، Dictionries اور Encyclopedia میں فیمنزم کے معنی تقریبا ایک جیسے ہی ہیں بس کہنے کا انداز الگ الگ ہے۔لیکن بنیادی طور پر سب نے عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق اور برابری کا درجہ دینے کی بات کہی ہے۔تانیثیت ایک ایسی تحریک ہے جو معاشرے میں عورت کے ساتھ ہو رہی ناانصافیوں کے خلاف آواز بلند کرتی ہے۔ابتدائی دور میں لفظ Feminism عورتوں کے مساویانہ حقوق کی لڑائی میں استعمال ہوا اور آگے چل کر پوری دنیا میں طبقہ نسواں اور مرد اساس معاشرے کے درمیان امتیازات اور ان کے اعتراضات کے لیے اس اصطلاح کا استعمال کیا گیا۔

تانیثیت/نسائیت فیمنزم کی متعدد تعریفیں متعین کی جا چکی ہیں مثال کے طور پر انسائیکلو پیڈیا بریٹیز کا کے مطابق: فیمنزم ایک سماجی تحریک ہے جو عورتوں کے مساوی حقوق کے لیے جدو

جہد کرتی ہے۔

فیمنزم سیاسی، معاشی اور سماجی حوالے سے جنسی صنفی (Gender) مساوات کا نظریہ ہے۔

فیمنزم کی ایک اور تعریف اس طرح کی گئی ہے:

''فیمنزم ایک نظریاتی وابستگی بھی ہے اور سیاسی تحریک بھی جو عورتوں کے لیے انصاف کے حصول اور معاشرے سے جنسی صنفی امتیازات کے خاتمے کے لیے کوشاں ہے۔''

تانیثیت سے مراد ایک ایسا رجحان، فکر یا تحریک ہے جو مرد اساس معاشرے میں عورتوں کی زندگی کو ہدف علامت بنانا، سماج میں مرد کی برتری یا مرکزیت اور عورت کی ثانویت عورت کے سیاسی، معاشی اور جنسی استحصال سے لے کر جبر و زیادتی، عدم تحفظ، غیر مساوی حقوق و غیرہ کے تمام مسائل پر بحث کی جائے۔ تانیثیت ایک ایسا فکری تصور ہے جو طبقہ نسواں کے بیشتر پہلوؤں مثلاً سماجی، سیاسی، اقتصادی، اخلاقی، مذہبی تعلیمی اور معاشرتی زندگی کو اجاگر کرتا ہے۔ تانیثیت، تاریخی، ادبی اور ثقافتی متون کی از سر نو تشریح تعبیر کر کے عورت کو نہ صرف اس کا صحیح مقام دلانا چاہتی ہے بلکہ وہ گذشتہ اور موجودہ متون میں عورت کے نقطہ نظر کے اظہار کی کمی کی تلافی بھی کرنا چاہتی ہے۔ ساجدہ زیدی لکھتی ہے۔

''عورتوں کی تخلیقات کا از سر نو تانیثی تناظر میں جائزہ لیا جائے اور ان میں ایسے سکتے دریافت کیے جائیں جو تانیثی نقطہ نظر سے قابل غور یا قابل گرفت ہیں''

اس کا تصور بہت وسیع ہے جس میں مرد عورت کی زندگی کے ایسے خارجی و داخلی راز پوشیدہ ہیں جو اس فکری تصور کو ایک توانائی فراہم کرتے ہیں۔ تانیثی تحریک عورتوں سے متعلق ان تمام مروج نظام، اخلاق و تہذیب پر ایک کاری ضرب لگاتی ہے اور اس خاتمے کے لیے مردوں د عورتوں کے باہمی شعوری عمل کی خواہاں ہے۔ قاضی افضال حسین نے تانیثیت کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

''معاشرے کی تشکیل کے لیے عورت اور مرد دونوں ضروری ہیں لیکن ان کے درمیان ربط کی نوعیت ایک مخصوص معاشرے کی معاشی اور تہذیبی ضرورتوں سے متعین ہوتی ہے۔ بیش تر

معاشروں میں مرد اور عورت کا یہ تعلق ترجیحی نوعیت کا ہے۔ یعنی مرد ایک طاقتور فاعل، حاکم، اور معاشرے میں اقتدار کا ماخذ اور منصرم ہے جب کہ عورت کمزور، محکوم اور معاشرے کی مرکزی ضرورتوں کو پورا کرنے والی مفعول یا معروض ہے۔ تانیثیت کی سیاسی اور سماجی تحریکات کے لیے یہ غیر مساوی معاشرتی معاشی نظام ہی ان کی جد جہد کا اصل موضوع ہے۔''

تانیثیت کے آغاز وارتقاء کی اگر بات کی جائے تو اس سے پہلے وہ وجوہات ومسائل ذہن میں گردش کرنے لگتے ہیں جنھوں نے تانیثی فکر کو جنم دیا۔ عورت صدیوں سے اس پدری سماج میں مظلومیت اور محرومیت کا شکار ہوتی رہی ہے۔ عورتوں پر زمانہ قدیم سے ہی ظلم وستم اور جبر استبداد کی روایت چلی آرہی ہے۔ مرد اساس معاشرے نے عورت کا جب اور جس طرح سے چاہا استحصال کیا۔ عورتوں کو اس قدر محکوم ومجبور بنا دیا گیا کہ وہ صحیح اور غلط میں فرق کرنے سے عاری ہوگئی۔ جب قدیم عبادت گاہوں میں عورت کا نیا روپ دیوداسی کے طور پر وجود میں آیا تو اس بات کی بھی وضاحت کی گئی کہ ہر عورت اپنی زندگی میں کم از کم ایک بار دیوی کو خوش کرنے کے لیے اپنی عصمت پجاریوں اور مسافروں کے لیے قربان کرنا باعث فخر سمجھے۔ اس وقت حالات یہ تھے کہ ان دیوداسیوں کو معاشرے میں بڑی عزت واحترام کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس مرد اساس معاشرے نے کس قدر عورت کا Brain wash کر دیا تھا کہ وہ اپنی خوشی سے اپنی عصمت ان سماج کے ٹھیکیداروں کے ہاتھوں میں سونپ دیتی تھی۔ مردوں نے جس طرح چاہا عورتوں کو استعمال کیا۔ لیکن جب پانی سر سے اوپر ہو گیا تو عورت، مرد غالب معاشرے کے وضع کردہ اصولوں سے بغاوت کرتے ہوئے ایک نئی دنیا کی (جس میں مرد آقا نہیں ہوگا اور عورت غلام نہیں) تعمیر وتشکیل کرتے ہوئے نظر آتی ہے۔ عورت کا یہ جذبہ احتجاج اس وقت تحریک کی شکل اختیار کر لیتا ہے جب مرد اساس معاشرے کا ظلم ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔

یوں تو عورتوں پر ظلم وجبر کی روایت بہت پرانی ہے۔ لیکن اس کی طرف لوگوں کی توجہ بہت دیر سے گئی۔ اسے عورتوں کی سادہ لوحی کہیے یا مردوں کی بے حسی کہ عورتوں کے استحصال کے بارے میں کسی نے سوچا ہی نہیں، خود عورت نے بھی اسے کبھی محسوس نہیں کیا۔

اس کے باوجود بھی عورتوں نے ہر دور میں اپنی ذاتی صفات کا کھل کر اظہار کیا۔ کبھی وہ

جاں باز سپاہی تو کبھی حکمراں کی صورت میں سامنے آئی۔ اس مرد اساس معاشرے نے ان کی ان صلاحیتوں کو مردانہ کہہ کر خوب سراہا۔ کیا یہ ان عورتوں کے ساتھ انصاف ہو رہا تھا۔ سچ تو یہ تھا کہ ان کرداروں کو نباہتے ہوئے بھی عورت صرف اور صرف عورت ہی تھی ہر حال میں عورت۔ شجر ممنوعہ کی طرف ہاتھ بڑھانا ہی عورت کی پہلی بغاوت تھی۔ اگر ہم غور کریں تو دور قدیم سے ہی عورتوں کی صلاحیت اور استطاعت کے بارے میں دیگر فلسفیوں کی رائے کچھ بہتر نہ تھی۔

چونکہ عورتیں گناہ کا سبب بنتی ہیں اس لیے سماج میں انھیں محکوم کی حیثیت سے رہنا پڑتا ہے۔ عورت کی ضرورت اور مدد مرد کو اس وقت پیش آتی ہے جب مرد کو افزائش نسل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ فرانسیسی مفکر روسو جس کے خیالات نے فرانس میں انقلاب برپا کر دیا تھا۔ وہ بھی عورتوں کے متعلق دقیانوسی سوچ رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ عورتوں کا محکوم ہونا ایک فطری بات ہے۔ وہ محکوم اس لیے ہے کہ وہ ماں ہے۔ وہ مرد کے بغیر اولاد پیدا نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ سماج میں وہ ثانوی حیثیت رکھتی ہے ماہے۔ روسو یہ بھی کہتا ہے کہ بہتر سماج کے لیے ضروری ہے کہ عورت اپنی جنسیت پر قابو رکھے اور شرم ولحاظ کی پابند رہے۔

روسو عورتوں کے متعلق مردوں کے بنائے ہوئے تمام اصولوں کی حمایت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرد کے گناہوں کی بھی کوئی نہ کوئی توجیہہ پیش کرتا ہے۔ وہ مرد کی بے وفائی کو جائز مانتا ہے لیکن عورت سے پوری وفا کی امید رکھتا ہے۔ وہ عورت کی بے وفائی کو نا قابل معافی مانتا ہے۔ وہ تو عورتوں کو مردوں کے برابر تعلیم دینے کے بھی حق میں نہیں تھا۔ جب روسو جیسا بڑا مفکر عورتوں کے حقوق کے بارے میں نہیں سوچ سکتا تو عام لوگوں سے کیسی امیدیں لگائی جاتیں۔ ہندوستان جیسے قدیم ترین مہذب ملک میں جہاں دیوتاؤں کے ساتھ دیویوں کی بھی پوجا کی جاتی ہے۔ وہاں بھی عورتوں کی حالت بہتر نہ تھی۔ وہ بھی عورتوں کے لیے تنگ نظر رہا ہے۔ یہاں تک کی اس کے وجود کی نفی کی گئی۔ اسے سیکنڈ سیکس کے طور پر دیکھا گیا۔ ہندوستانی تاریخ کے غائر مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ ویدک دور میں عورتوں کی قدر کی جانے لگی تھی۔ انھیں سپہ گری کی تعلیم دی جانے لگی لیکن باوجود اس کے انھیں جنگ کے لیے مناسب تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ بیٹی کے بجائے بیٹے کی خواہش کا اظہار ملتا ہے۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ رگ وید میں بھی لڑکیوں کے جنم کی کوئی

خواہش نہیں دکھائی گئی اور اتھر وید میں بھی لڑکیوں کی پیدائش کو کم یا نظر انداز کیا گیا۔ اس کے بعد بدھ مت کا بول بالا ہوا۔ بدھ مت کے فروغ کے ساتھ ہی عورتوں کی حالت میں سدھار پیدا ہوا۔ برہمنوں نے طبقاتی تقسیم کے بنا پر عورتوں کی جو حالت کر رکھی تھی گوتم بدھ نے اس کے خلاف احتجاج کیا اور عورتوں کو آزادی دلائی۔ گوتم بدھ معاشرے میں ایسی عورت کی خواہش کرتے ہیں جو پڑھی لکھی ہو، اسے شاعری آتی ہو اور شاستروں کے قوانین سے بھی واقفیت رکھتی ہو۔ گوتم بدھ نے ویدک عہد کی روایات کو زندہ ہی نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر عورتوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ بھی دی۔ عورتوں کی تعلیم و تربیت کی ابتداء گوتم بدھ کی مرہون منت ہے۔ اشوک کے عہد سے لے کر ہرش وردھن تک عورتوں کو پڑھنے کی اجازت تو تھی لیکن لکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ بدھ مت کے زوال کے بعد بھی عورتوں کا تعلیمی سلسلہ جاری رہا۔ گپت عہد میں عورتوں کو تحریر سے بھی واقفیت حاصل ہوئی اور اسے اسٹیج پر اداکاری کی بھی اجازت تھی۔ کالی داس نے اپنی تصنیفات میں تعلیم یافتہ باشعور عورتوں کے کردار پیش کیے ہیں۔ ہندوستان کی قدیم تاریخ کے نمونے گپت عہد کی تصنیفات میں دستیاب ہیں۔ جن سے ہمیں عورتوں کے اس زمانے کے حالات کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً قدیم ہندوستان میں عورتوں کا جائداد میں کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا خاص کر شوہر کی جائداد میں بیوی کا۔ اپنے وقت کے مشہور قوائد داں اور منوسمرتی کے خالق منو عورتوں کو ہمیشہ مردوں کے زیر نگیں دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ایک عورت کا بچپن میں باپ کا، جوانی میں شوہر کا اور شوہر کے مرنے کے بعد بیٹے کا محکوم ہونا ضروری ہے۔ وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتی۔'' مختلف حالات کے تحت دنیا کے مختلف ممالک میں تانیثیت کی ابتدا ہوئی۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں عورتوں کی حیثیت محکوم کی سی تھی۔ عورتوں کو اپنے جائز حقوق سے محروم ہونے کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کو بھی ظاہر کرنے کی اجازت نہ تھی اور نہ ہی انھیں بحیثیت انسان اپنی خواہشات کے اظہار کے مواقع حاصل تھے۔ رفتہ رفتہ عورتوں کی اس محرومی کے خلاف احتجاج شروع ہوا۔ جن میں صرف عورتیں ہی شامل نہیں تھیں بلکہ مرد بھی شامل تھے۔ جنھیں عورتوں کی زبوں حالی کا احساس ہونے لگا تھا۔

عورتوں کے حقوق کے لیے آوازیں بلند ہونے لگیں تعلیم، روزگار، شادی بیاہ جمل، اسقاط حمل اور جنسی آزادی پر عورتوں کی رائے ضروری سمجھی جانے لگی۔ عورتوں نے رائے دہندگی

کے لیے بھی آواز بلند کی اور سماج میں اپنی شخصی آزادی کے لیے سرگرداں ہوگئی۔ایسا ہرگز نہیں ہے تا حیثیت نے ابتدائی مراحل سے ہی تحریک کی صورت اختیار کر لی تھی۔تانیثیت بحیثیت تحریک سب سے پہلے مغربی ممالک میں دیکھنے کو ملتی ہے۔مغربی مصنفین تانیثی تحریک کو کئی ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔یہ تقسیم تانیثی تحریک کے بدلتے ہوئے انداز واطوار کو دیکھتے ہوئے عمل میں آتی ہے۔تانیثیت مغرب سے شروع ہوکر دھیرے دھیرے پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔لیکن جب ہم برصغیر ہندو پاک میں یا اردو میں خواتین کے ادب اور خاص کر شاعری پر نگاہ دوڑاتے ہیں تو ان کے یہاں رومانی اور تقلیدی شاعری ہی نظر آتی ہے۔بیسویں صدی کے نصف اول اور بعد کی ادیباؤں میں یہ فرق نمایاں نظر آتا ہے۔آزادی کے بعد ادیباؤں اور شاعرات نے فنی وفکری ہر دو سطح پر نئی آنے والی تبدیلیوں کو محسوس بھی کیا اور قبول بھی کیا۔

اسلام سے قبل عرب ممالک میں عورتوں کی سماجی حالت بہت خراب تھی۔اس کے حقوق کو نہ صرف پامال کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ وحشیانہ سلوک روا رکھا گیا۔قدیم عرب میں جہالت کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔عرب سماج میں عورت ایک جائداد کی حیثیت رکھتی تھی۔شوہر کے انتقال کے بعد اسے فروخت کر دیا جاتا تھا۔اتنا ہی نہیں سوتیلی ماں سے شادی کرنے اور اپنی بیوی کو ایک خاص عرصے تک دوسروں کو کرائے پر دینے کی رسم بھی موجود تھی۔اسلام سے قبل عورت بے بسی اور مظلومی کی تصویر تھی۔دور جاہلیت میں عورت کی شادی کے چند مختلف طریقے رائج تھے۔عورت محض جنسی تسکین کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔عورت ہر طرح کے ظلم واستبداد کی شکار تھی۔اسے کوئی بھی سماجی اور ازدواجی حقوق حاصل نہیں تھے۔لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا تو آہستہ آہستہ عورت کی عظمت کا احساس دلایا اسے جاہلیت سے نکال کر اعتدال پسند آزادی کی طرف لا کھڑا کیا۔عہد رسالت میں عورت کو صدیوں سے مرد کی غلامی اور اس کے جبر استحصال سے چھٹکارا حاصل ہوا۔بیٹیاں جو مردوں کی نظر میں حقیر وذلیل اور باعث ننگ وعار سمجھی جاتی تھیں۔اب بیٹیوں کو بھی بیٹوں کی طرح اسلامی حیثیت کے مطابق تعلیم و تہذیب سے آراستہ کیا جانے لگا۔اسلام میں عورت کو وہ تمام حقوق حاصل ہو گئے جن سے وہ کئی صدیوں سے محروم تھی۔عورت اپنے مال کی حق دار اور مالک قرار دی گئی۔اسے اپنے خاوند سے مہر

وصول کرنے کے پورے اختیارات دیئے گئے۔

تانیثی تنقید ایک طرح کی ادبی تنقید ہے جس کا تانیثی ڈسکورس سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ ہندوستان میں تانیثی تنقید کا وجود باقاعدہ طور پر تو موجود نہیں ہے۔لیکن مغرب کے حوالے سے بات کریں تو اس کا تاریخی پس منظر بہت وسیع ہے۔ابتدائی دور میں تانیثی تنقید ادب میں صرف عورتوں کی حالت اور ان کے کردار وعمل کی عکاسی تک محدود تھی۔لیکن رفتہ رفتہ اس میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہوئیں۔90 کی دہائی کے آس پاس جنس (Gender) سے متعلق زیادہ پیچیدہ تصورات فروغ پانے لگے اور اسی زمانے میں تانیثی تنقید ایک نیا موڑ اختیار کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ادب میں تانیثی تنقید کے چند مقاصد ہیں جن میں تانیثی ادبی روایت کا قیام خاص اہمیت کا حامل ہے۔اس کی بنیاد پر ادبی تاریخ میں خواتین ادیباؤں کے مقام کو واضح کیا جا سکے۔ اس کے لیے قدیم ادبی متون کی ازسرنو دریافت کو لازم قرار دیا گیا۔تانیثی ناقدین کا کہنا ہے کہ خاتون ادیباؤں کو ادبی تاریخ سے خارج کر دیا گیا ہے یا انھیں حاشیے پر لا کر کھڑا کر دیا گیا ہے۔اس لیے جب تک ان کی اپنی ادبی شناخت قائم نہیں ہو جاتی تب تک ان کی ادبی حیثیت کو نظر انداز کیا جاتا رہے گا۔چنانچہ تانیثی تنقید خواتین تخلیق کاروں کی ادبی شناخت کی ضرورت کو شدت سے محسوس کرتی ہے۔یہاں یہ بات باور رہنا چاہئے کہ پہلے خواتین ادیباؤں کو اپنے اصلی نام سے اپنی تخلیقات شائع کرانے میں تامل محسوس ہوتا تھا۔کیونکہ ان کی ادبی روایت کا فقدان تھا۔تانیثی تنقید کے مقاصد میں یہ بھی شامل ہے کہ خواتین ادیباؤں کا اور ان کی تخلیقات کا مطالعہ تانیثی تناظر میں کیا جائے اور ادب میں جنس پسندی کے رجحان کو روکا جائے۔تانیثی تنقید عورت کی جنسیت کے استحصال پر احتجاج کرتی ہے۔تانیثی تنقید مروج مرد اساس معاشرے پر بھی اعتراض کرتی ہے۔ کیونکہ اس مرد اساس معاشرے میں ہمیشہ سے مرد کو مرکزیت اور بالادستی حاصل رہی ہے اور عورت کو ہمیشہ کمزور اور مجبور سمجھا گیا۔بعض تانیثی ناقدین کا خیال ہے کہ عورتوں کا سماج کے پدری نظام کی وجہ سے سماجی، سیاسی اور معاشی استحصال ہوتا آرہا ہے۔جس کی عکاسی ادب میں کی جاتی ہے۔تانیثی فکر وفلسفے اور تانیثی تنقید دونوں کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہے۔تانیثی فکر سماجی وتہذیبی سطح پر جنسی تفریق کے خلاف ہے۔عورت اور مرد کے لیے مساوی حقوق کی مانگ کرتی ہے۔

اسے تحریک نسواں کا بھی نام دیا گیا۔ بلکہ تانیثی تحریک کی بنیاد ہی اسی فلسفے پر قائم ہے۔

ڈاکٹر آمنہ تحسین اپنے مضمون ''تانیثی تنقید نظریات ومباحث میں لکھتی ہیں کہ:

''یہ رجحان مختلف سطحوں پر فروغ پا کر بہت جلد ایک تحریک بھی بن گیا۔ جسے بیسویں صدی میں ''تانیثیت کی تحریک'' کا نام دیا گیا۔ اس تحریک کے نتیجے میں عورت کے وجود تشخص کے متعلق سوال اٹھائے گئے سوالات اور نوتشکیل شدہ تصورات ونظریات ادبی تحریروں میں بھی ڈھلتے رہے۔ تانیثی فکر جہاں ادب کا حصہ بنے لگی وہیں ادب کی جانچ و پرخ کے لیے بھی ایک خاص نقطہ نظر وضع ہوا جسے تانیثی تنقید کا نام دیا گیا۔''

شوالٹر کے مطابق ایسی تنقید جس کا تناظر نسوانی ہو اور جو نسوانی فریم ورک میں رہ کر تا نیثی ادب کا مطالعہ کرے۔ اس میں عورت کی حیثیت کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ تنقید تانی نقطہ نظر کے تحت کام کرتی ہے اور عورت کا بہ حیثیت ادبی فن کا مطالعہ کرتی ہے۔ نسوانی تنقید میں تنقیدی عمل کے دوران ادب کے حوالے سے عورت کی تخلیقی صلاحیتوں کی دریافت کی جاتی ہے۔ نسوانی تنقید، نسائی حقیقت کو سمجھنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

نسوانی تنقید اور تانیثی تنقید میں سب سے نمایاں فرق یہ ہے کہ نسوانی تنقید خواتین ادیباؤں کی ہی تخلیقات کو اپنے مطالعے کا موضوع بناتی ہے۔ جب کہ تانیثی تنقید عورت ومرد دونوں ادیبوں کی تخلیقات کو تانیثی تناظر میں مطالعہ وتجزیہ کرتی ہے۔ والٹر کا کہنا ہے کہ تانیثی تنقید میں عورتوں کے بارے میں مردوں کے اپنے تصورات ومفروضات ہوتے ہیں اور پورے مطالعے میں ان کا نقطہ نظر حاوی رہتا ہے جب کہ نسوانی تنقید میں عورتوں کے نظریے سے نسائی رویوں سے بحث کی جاتی ہے۔ نسائی تشخص پر اصرار کیا جاتا ہے۔ نسوانی تنقید سے عورت کی دریافت کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہوتا ہے۔ جب کہ تانیثی تنقید میں مردوں کے نقطہ نظر اور مردانہ طرز فکر واضح ہوتی ہے۔

اردو ادب میں نسوانی تنقید (Gynocriticism) تانیثی تنقید (Feminism Criticism) ابھی اپنے ابتدائی مراحل میں ہے۔ اس کے خدوخال ابھی پورے طور پر واضح نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی ابھی اس کے اصول وضوابط مرتب ہوئے ہیں پھر بھی اردو ادب میں

تانیثی تنقید کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ تانیثی تنقید کے موضوع پر سید محمد عقیل رضوی، متقیق اللہ، گوپی چند نارنگ اقمر رئیس بنفس الرحمن فاروقی ہمیر علی بدایونی، قاضی افضال، مرزا خلیل احمد بیگ، کشور ناہید، فہمیدہ ریاض، ترنم ریاض، شہناز نبی، ناصر عباس نیر، فاطمہ حسن، مشتاق احمد وانی، آمنہ حسین، انور پاشا، ارجمند آرا، شبنم آرا ہمیر وسعید نسترن احسن قلیمی وغیرہ کے مضامین و کتب شائع ہوئے ہیں۔ جس نے اردو میں تانیثی تنقید کے ساتھ ہی تانیثی تحریک کو مزید مستحکم کیا ہے۔

تانیثی تحریک پر ۱۸۸۰ء کے بعد تمام مغرب و مشرق کی تحریکات اور رجحانات کا بھی بہت اثر پڑا۔ یہاں تک کہ تانیثی تحریک کے حامیوں نے سیاست کا سہارا لے کر ایک ایسے سماج کو بدلا جس نے مرد غالب معاشرے کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کی ترغیب دی۔ باوجود اس کے عورت معاشرے میں پدری نظام کے ذریعے کمزور، نااہل بے وقوف اور فطرت کی پیدا کردہ مہمل شے ہی قرار دی گئی۔ انیسویں صدی تک تانیثی تحریک کا دائرہ صرف طبقہ نسواں کے حصول زندگی تک ہی محدود تھی لیکن بیسویں صدی میں تانیثی تحریک نے کئی روپ اختیار کئے جس کی وجہ سے مختلف فکر اختلافات پیدا ہو گئے۔ کوئی ذات سے متعلق تھا کوئی نسل اور رنگ اور کوئی غیر مساوی حقوق کی سطح پر تھا۔ ان تمام مسائل کو لے کر تانیثی تحریک کے حامیوں نے جو خیالات و نظریات پیش کیے ان کی بنا پر مفکرین نے تانیثیت کو کئی اقسام میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱۹۸۹ء میں Rosemarie Tong کی ایک کتاب "Feminism Thought" کے نام سے شائع ہوئی جس میں تانیثیت کے اقسام کے متعلق بحث کی گئی ہے۔ اس میں تانیثیت کی سات قسمیں بتائی گئی ہیں جو اس طرح ہیں۔

۱۔ روشن خیال تانیثیت
۲۔ شدت پسند تانیثیت
۳۔ تحلیل نفسی تانیثیت
۴۔ سوشلسٹ تانیثیت
۵۔ ترقی پسند تانیثیت

۶۔ مابعد جدید تانیثیت

۷۔ وجودی تانیثیت

۸۔ سیاہ فام تانیثیت

مندرجہ بالا تعریفوں اور دلیلوں سے فیمنزم کی فکری اساس واضح طور پر سامنے آجاتی ہے۔یعنی عورت کی کمتر معاشرتی حیثیت قدرتی نہیں بلکہ ثقافتی ہے وگرنہ بحیثیت انسان، مرد، عورت برابر ہیں۔مرد وزن کا مساوی انسانی درجہ ان کے لیے مساوی حقوق کا متقاضی ہے۔اس لیے عورت کو نہ صرف قانونی، سیاسی اور معاشرتی سطح پر برابری کے حقوق ملنے ضروری ہیں بلکہ اس کی ذہانت اور تخلیقیت کا اعتراف بھی ضروری ہے جس سے آج تک صرف نظر ہی کیا گیا ہے۔

فیمنزم کی بنیاد تاریخی اور ثقافتی سطح پر پہنی حقائق پر ہے۔مگر دوسرت نظریات کی طرح فیمنزم کی نظریاتی اساس کسی ایک نظریے پر نہیں بلکہ اس کی تعریف میں ایک لچک ہے جو اس میں تبدیلی کی گنجائش پیدا کرتی ہے۔اس کی معنی دنیا کے مختلف حصوں میں اور ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں بھی مختلف ہیں۔یہاں تک کی ایک ہی طبقے کی عورتوں میں بھی فیمنزم کے مختلف مباحث نظر آتے ہیں۔عورتوں کا بنیادی مطالبہ ایک غیر استحصالی، طبقات، ذات، برادری اور نسلی امتیاز سے پاک معاشرہ ہے۔مثبت ایس خان نے فیمنزم کو جو معنی بیان کیے ہیں وہ فیمنزم اور فیمنسٹ دونوں کا گزشتہ دو صدیوں کے دوران فیمنزم کی تحریک نے عورتوں کے لیے مساوی تعلیم اور ملازمت کے مواقع، جائیداد خریدنے، ووٹ دینے، پارلیمنٹ میں نمائندگی، برتھ کنٹرول اور طلاق وغیرہ کے حصول کے لیے بہت کام کیا ہے۔عورتوں کے حقوق کی زیادہ تر کوششوں ہم ''لبرل فیمنزم'' کہہ سکتے ہیں کیونکہ لبرل نظریے کے حامی قانونی حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔یہ مطالبات گھر اور خاندان سے باہر تبدیلی لے کر آتے ہیں اور ان سے بنیادی معاشرتی ڈھانچے میں کوئی فرق نہیں آتا۔دوسری طرف مارکسی نظریے کے حامی کہتے ہیں کہ جب تک اندر سے معاشرتی ڈھانچے کو بدلا نہ جائے عورتوں کے حالات میں تبدیلی نہیں آسکتی۔

بنیادی طور پر ریڈکل فیمینزم کی نظریاتی اساس حیاتیاتی ساخت پر ہے مگر اس نظریے کے حامی اس سے بھی انکار نہیں کرتے کہ عورتیں معاشی استحصال کا شکار رہی ہیں۔مردانہ حاکمیت کی

جڑیں مردانہ جارحیت میں ہیں۔مردانہ تشدد کے خلاف برادراست قدم اٹھانا اور عورتوں کے الگ کلچر کی تشکیل ضروری ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حقوق نسواں کی تحریک سے ہی تانیثی نظریہ سامنے آیا۔انیسویں صدی تک شادی شدہ عورتوں کی بڑی تعداد امریکہ اور یورپ میں کوئی قانونی حیثیت یا شناخت نہیں رکھتی تھی۔مغربی یورپ میں اٹھارویں صدی کے اوائل میں ہولڈ برگ، کینڈرورسٹ اور بال بیک نے عورتوں کی شہرت اور تعلیمی حقوق دینے کی بات کی۔۱۸۴۸ء میں نیویارک میں عورتوں کے حقوق کے کنونشن میں عورتوں کے لیے جائیداد، بچوں اور طلاق وغیرہ کے حقوق کے موضوع پر ریزولوشن پاس کیے گئے۔برطانیہ میں ۱۹۱۸ء میں، امریکہ میں ۱۹۵۹ء میں آسٹریلیا میں ۱۹۰۸ء میں اور ناروے میں ۱۹۰۷ء میں عورتوں کو ووٹ کا حق ملا۔عورتوں کی تحریک کی جدوجہد اس امر کی نشاندہی کرتی ہے کہ معاشرے میں مردانہ حاکمیت کا رویہ ہی عورت کے مسائل کا سبب ہے۔Pleck Joseph H کے الفاظ میں:

تانیثی تنقید ایک نظریہ تانیثی ادبی نظریے کی حدود بہت وسیع ہیں۔جدید ادبی تنقیدی نظریے کے طور پر اس کا منتہا ایک کتاب یا ایک کام کا مطالعہ نہیں بلکہ حالات اور رویوں کا جائزہ لینا اور ان کو بدلنا ہے۔ایک نئی لسانی وحدت کا قیام بھی اس کا مقصد ہے جس کا مرکز عورت ہو اور جو ہر قسم کی تنگ نظری اور مردانہ حاکمیت سے پاک ہو۔

تانیثی مباحث، اصناف اور ادبی روایت کی ازسرنو تشکیل کے ساتھ ساتھ لسانیاتی مطالعات بھی تانیثی ادب کے حدود میں آتے ہیں۔تانیثی شعور کے عام ہونے سے عورتوں کے گروہوں اور اداروں کی تشکیل ہوئی جس کے نتیجے میں عورتوں کے مسائل کے متعلق دلچسپی میں اضافہ ہوا۔اس دوران جنسی طور پر برابری کے مطالبات اور یونیورسٹیوں میں عورتوں کے ادب کے نصاب کی تشکیل بھی ہوئی۔عورتوں کے ادب اور صنفی مطالعے کے شعبے بھی جامعات میں تشکیل دیے گئے۔یہ پس منظر تانیثی ادب کے مطالعات اور تخلیقات کے لیے معاون ثابت ہوا۔

تانیثی مطالبات عورت کی ادب میں غیر متعصّبانہ، انسانی پیش کش کو بنیاد بناتے ہیں اور عورت کی روایتی اچھائی اور برائی کی انتہاؤں میں قید کرداروں کی نفی کا تقاضہ کرتے ہیں۔تانیثی

ادب پر نظر ڈالی جائے تو اس میں کئی مراحل اور درجے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی کام میں اس امر پر توجہ زیادہ تھی کہ اب تک ادبی روایت سے عورت غائب رہی ہے۔ عورتوں کے ادب کی بازیافت اور عورتوں کی ادبی روایت کی تشکیل نو کے لیے کوششیں کی گئیں۔ خواتین مصنفین جو صنفی تفریق کی وجہ سے وہ مقام حاصل نہ کر سکیں جو ان کو ملنا چاہیے تھا۔ ان کی تحریروں کو از سر نو پڑھا اور جانچا گیا۔ اس طرح جن خواتین کے ادبی مقام کو نظر انداز کر دیا گیا تھا انھیں ادبی روایت میں جگہ دی گئی۔ Mary Eagleton نے اس جد و جہد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دور جینا وولف نے اس بات کا شکوہ کیا تھا کہ عورت ہماری تاریخ میں نظر نہیں آتی مگر عورت کو اس کا تاریخی اور ادبی مقام دلوانے کا یہ سفر سست رفتاری سے جاری رہا۔

نصف صدی بعد بھی لائبریریوں کے وہ خانے خالی تھے جہاں عورتوں کی کتابیں ہونی چاہیے تھیں تانیثی نقاد ابھی تک ان کی عدم موجودگی کی وضاحت کر رہے تھے اور نظر انداز کردہ متون کو سمجھنے اور ان کے مفہوم کو ڈی کوڈ کرنے میں مصروف تھے۔ مردانہ برتری کے دھارے کو چیلنج کرنا اور نظر انداز کردہ خواتین مصنفین کی شمولیت پر مبنی ادبی تاریخ دوبارہ لکھنا بہت مشکل تھا۔

ان نقطہ نظر سے ادیب عورتیں صرف چند ذہین عورتیں یا خواص نہیں بلکہ معاشرے اور تہذیب کا حصہ ہیں۔ وہ افراد سے وابستہ اقتدار اور تجربات سے منسلک ہیں۔ فیمنزم کے زیر اثر عورتوں کے ادب میں اضافہ ہوا۔ متن میں لکھاری کے موجود ہونے معنی کو متعین کرنے اور کوڈز کے طریقے کو استعمال کرنے جیسے سوالات پس ساختیات نے اٹھائے۔ مصنف اور قاری، زبان اور معنی کے رشتے کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔ خواتین کی کتابیں اور خواتین کے بارے میں کتابیں چھپنے کے باوجود ادب کی پیش کش کے حوالے سے جب اہم ناموں کا ذکر آتا ہے تو صرف چند خواتین کے نام سامنے آتے ہیں۔ تانیثی ادب میں بہت سے گروپ بن جانے کی وجہ سے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ وقت کے ساتھ تانیثی ادب نے اپنی تخلیقات مرتب کی ہیں۔

تانیثی مطالعے کا ایک اہم پہلو مردوں کے تخلیق کردہ ادب میں عورت کی پیش کش کا جائزہ لینا بھی ہے۔ مرد تخلیق کاروں کے تخلیق کردہ نسوانی کرداروں کا مطالعہ کرتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ مرد تخلیق کار نے عورت کے تجربات اور جذبات و احساسات کو کس حد تک سچائی سے پیش

کیا ہے۔انھوں نے عورت کے تجربات کو مردانہ زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے اور عورت کے روایتی معاشرتی کردار کو پیش کیا ہے یا پھر وہ عورت کی سوچ اور احساس کو چھونے میں کامیاب ہو سکے ہیں۔ یہاں ایک اور اہم سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ خود عورت نے عورت کی تصویر کشی کس قدر مکمل انداز میں کی ہے؟ کیا ہر خاتون ادیب تانیثیت کے تقاضوں کے مطابق تانیثی ادیب ہو سکتی ہے؟ کیا خود عورتیں عورت کے معاشرتی اور ثقافتی تصور کو (جو مردانہ معاشرے نے قائم کر رکھا ہے) پیش نہیں کرتیں؟ یہ سوال ادبی مطالعے کا ایک اہم پہلو بن جاتا ہے چونکہ عورت عورت کو زیادہ بہتر طور پر جانتی ہے اس لیے اس سے عورت کے کردار کے ساتھ انصاف کرنے کی امید اور مطالبہ بھی قوی ہوتا ہے۔سیمون دی بوار کے الفاظ میں: ''ہم نسوانی دنیا کے مردوں کی نسبت زیادہ گہرائی میں جانتی ہیں۔ کیونکہ اس کے اندر ہماری جڑیں ہیں۔ہمیں مردوں کی نسبت زیادہ بہتر اور واضح طور پر معلوم ہے کہ کسی انسان کے عورت ہونے کا کیا مطلب ہے۔

عورت اور مرد کی تخلیقات کا مطالعہ کئی سطحوں پر ان کے تجربے، احساس اور اظہار کے اختلاف کو سامنے لاتا ہے۔سکریتا پال کمار اپنی کتاب ''عورت بطور ہیرو (مترجم مسعود اشعر) میں لکھتی ہیں:

''عورت کی جسمانی اور طبعی شخصیت اسے خالص نسائی تجربات سے دوچار کرتی ہے۔ عورت ان تجربات کی روشنی میں ہی اپنی ذات کا شعور حاصل کر سکتی ہے۔مرد بھی اگر اسے سمجھنا چاہتے ہیں تو پہلے عورت کی حیثیت سے، اس کے نسائی تجربات کے حوالے سے پہچاننے کی کوشش کریں۔اس کے بعد اسے بحیثیت انسان سمجھیں۔''

مرد اور عورت کے تجربات و احساسات مختلف ہیں اور اگر مرد عورت کو، اس کے نسائی تجربے اور احساس کو سمجھ سکتا ہے تبھی وہ اس کے مساوی انسانی شخصیت کا شعور حاصل کر سکتا ہے۔جب تانیثی ادب کی بات کی جائے گی تو اس سے مراد صرف عورتوں کا لکھا ہوا ادب نہ ہوگا۔ ایک مرد ادیب بھی فیمنسٹ ہو سکتا ہے اس کے علاوہ نسوانیت اور تانیثیت میں ایک تعلق ہے۔غیر فعال اور پسے ہوئے طبقے کی آواز بننا ایک غیر استحصالی اور غیر جنسی رویے کی عکاسی کرتا ہے۔اس صورت میں ایک مرد بھی تانیثی ادیب ہو سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ عورتیں تانیثی سوچ رکھتی ہوں یا نہ

رکھتی ہوں، مردوں کے لیے بھی دونوں باتیں ممکن ہیں۔ اگر چہ معاشرتی اور نفسیاتی عناصر مرد اور عورت کے معاملے میں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مردوں کی نسبت عورتوں کا فیمنسٹ ہونا زیادہ ممکن ہے۔ تاہم یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر عورت بحیثیت مصنف فیمنسٹ کہلا سکے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب اس کے ہاں تانیثی شعور کا اظہار ہو۔ عتیق اللہ کے الفاظ میں خاتون ادیباؤں کو بھی ایک فرد کی حیثیت سے دیکھنا ضروری ہے اور ساتھ ہی یہ سوالات بھی اہم ہیں کہ:

''خاتون ادیبہ نے سوسائٹی کے مقررہ معیاروں کو من وعن قبول کر کے کوئی تصنیف کی ہے یا ایک عورت ہونے کے ناطے انہیں اقدار پر قناعت کر لی ہے جنہیں اس نے روایت کے سلسلے میں پایا ہے۔ تاریخی اور تہذیبی جبر نے ان کی ذات شخصیت اور مجموعاً ان کے کردار Behaviour پر کس قسم کے منفی اثرات قائم کیے ہیں؟ کیونکہ جب عملی کردار ہی شخصیت اور میلان کی کسوٹی ہے تو ہمارے لیے ان عوامل کا مطالعہ ضروری ہے جن کا نتیجہ عورت کی مسخ شدہ شخصیت ہے۔''

شمس الرحمن فاروقی کے خیال میں مردوں کے متون کے مطالعے سے ایک طرف مردانہ تعصب اور عورتوں کے متعلق معاشرے میں رائج مفروضات اور رسوم وقوانین سامنے آئیں گے اور دوسری طرف عورتوں کے لیے ہمدردانہ اور موافقانہ رویہ رکھنے والے مرد ادیبوں کی نشاندہی بھی ہوگی۔ اسی طرح عورتوں کے متون میں نسوانی کرداروں کے بارے میں دو ممکنات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اپنے بارے میں ان کے تصورات اور مفروضات وہی ہوں مردوں کے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ رائج کرداروں سے ہٹ کر عورت کے انفرادی وجود کی شناخت کر پائی ہوں۔ دونوں صورتوں میں مردوں اور عورتوں دونوں کے ہاں تانیثی شعور کی موجودگی کے امکانات ہیں۔ تانیثی مطالعات کا ایک اہم پہلو نسوانی اسٹیریوٹائپ کرداروں کا تجزیہ ہے جو اکثر مردوں کے متون میں اور اسی حد تک عورتوں کے متون میں بھی پائے جاتے ہیں۔ عورتوں کے روایتی کردار عورتوں کے بارے میں ہمارے نظریات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عورت کے بارے میں غیر متعصب اور غیر جانب دار ہو کر سوچنے اور لکھنے کی ضرورت ہے جب کہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر کے الفاظ میں:

''ہمارے ہاں عورت کے بارے میں جسم، ذات، روح، وجود اور شخصیت کے بارے میں سنجیدہ سوچ اور پھر ہمہ گیر خیالات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ویسے بھی عورت اور اس کے تعلقات کے ضمن میں اگر چہ ہر شخص گفتار کا غازی ثابت ہوتا ہے مگر اس کے پاس نہ تو نفسیاتی مطالعہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ عمرانی اور اقتصادی شعور جس کی روشنی میں وہ غیر متعصّبانہ گفتگو کا اہل ثابت ہو سکے۔''

مرد اساس معاشرے میں نسوانیت کو عورت کے ساتھ اس طرح ملزوم کیا گیا ہے کہ نسوانیت کا مردانگی سے کمتر ہونا اور عورت کی خصوصیات کا مردانگی سے کوئی تعلق نہ رکھنا بالکل قدرتی اور طبعی اصول کی صورت میں قبول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ عورت کے وجود سے وابستہ تصورات اور معاشرتی مطالبات اس کے محکوم وجود کو پیش کرتے ہیں۔ ڈری سہمی، نازک، نرم خو اور نرم دل عورت کو مثالی عورت سمجھا جاتا ہے حالانکہ ہر عورت فطرتاً ایسی نہیں ہوتی بلکہ روایات کا تقاضہ ہے کہ اسے ایسا ہونا چاہیے۔ جان سٹورٹ مل نے عورتوں کی محکومیت نامی کتاب میں لکھا ہے کہ:

''آج کل جس چیز کو عورت کی فطرت کہا جاتا ہے وہ واضح طور سے مصنوعی بات ہے۔ بعض صورتوں میں یہ جبر کا نتیجہ ہے اور دوسری صورتوں میں قدرتی انگیخت سے پیدا ہوا ہے۔''

مرد نے اپنا مقام ہمیشہ بیرونی دنیا سے اپنے رابطے کی صورت میں متعین کیا۔ اس نے فطرت، معاشرت اور حتی کہ خدا سے اپنے تعلق کی بنا پر اپنے لیے القابات تلاش کیے جب کہ عورت کو اپنی ذات کے حوالے سے پہچان دی۔ وہ مرد کی ماں، بہن، بیوی، بیٹی یا محبوبہ ہے۔ عورت کی پہچان اور اس کے لیے سماجی تقاضے بھی انہیں رشتوں سے وابستہ ہیں۔ دوسری طرف مردانگی کو مثبت قدروں کا منتہا مانا گیا اور نسوانیت کو کمزوری اور بزدلی تصور کیا گیا۔ یہاں تک کہ عورت نے خود بھی یہ سمجھنا شروع کر دیا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے ادب میں عورت کے سٹیریوٹائپ کردار کی پیش کش کی وجہ بھی اسی فکر کو قرار دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بیشتر نسوانی نقادوں کا خیال ہے کہ مرد لکھاریوں نے عورت کی جو سٹیریوٹائپ تمثال پیش کی ہے، وہ محض ادبی روایت کا شاخسانہ نہیں، جس کے تحت جامد کردار پیش کرنے کا چلن ہو جاتا

ہے (جس طرح ترقی پسندوں کے یہاں ہوا) بلکہ اس کی اصل وجہ تاریخ اور ثقافت کے وہ تصورات اور اقدار ہیں جو مرد مرکزیت (Phallocentric) ہیں۔ مردانگی کو ہمیشہ برتری اور نسوانیت کو کمزور اور کمتری سے عبارت کیا گیا ہے۔ مذکورہ خصوصیات کو ہمیشہ قدر اور ضابطہ (Norm) جبکہ تانیثی اوصاف کو فقط معاون (Subsidiary) ٹھہرایا گیا۔''

Feminist Critique کے تحت مرد تخلیق کاروں کے یہاں عورت کے کردار کا مطالعہ کیا جاتا ہے جب کہ Gymocritics کے تحت خواتین لکھاریوں کے یہاں عورت کی پیش کش کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ دونوں مکاتیب کا مقصد عورت کے اس تصور یا کردار کو دریافت کرنا ہے جسے عورت کی مکمل پیش کش کہہ سکیں۔ ایسی پیش کش جو عورت کے شعور ذات کا اثبات ایک زندہ اور آزاد وجود کی حیثیت سے کر سکے۔ عورتوں کے روایتی کردار (Stereotypes) عورتوں کے بارے میں ہمارے نظریات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ روایتی کردار سماجی قیود اور معیارات کے مطابق تشکیل دیئے گئے ہیں جن کے مطالبات عورت سے خاموشی، برداشت، فرماں برداری اور قربانی کے ہیں۔ ہمارے معاشرے کی طرح ساری دنیا میں عورت کے بارے میں کچھ خاص اصول اور معیار ہیں جن میں عورت کے الگ وجود یا انفرادی شناخت کے اظہار کی کوئی گنجائش نہیں۔ ایک عورت کو اسی ماحول میں اپنے لیے گنجائش پیدا کرنی پڑتی ہے کیونکہ سماجی قیود کو وہ بدل نہیں سکتی۔ عورت کے لیے ایک مرکزی سماجی ضابطہ یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کرے جو غیر نسوانی ہو۔

روایتی سماجی ضابطوں کے مطابق عورت کو ماں یا بیوی کی حیثیت سے بچے پالنے اور گھر سنبھالنے محدود رہنا چاہیے۔ سماجی زندگی تعلیم، بزنس اور سیاست مرد یا ست مردوں کے کام ہیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں تحریک نسواں نے ان خیالات کو بدلنے کی کوشش کی اور باور کرایا کہ عورت مرد کے مساوی قابلیت اور تخلیقی صلاحیت رکھتی ہے۔ ادب نے بھی عورت کے اسی روایتی کردار کو اپنایا جو عورت کو وفا کی دیوی، حیا کا مجسمہ یا ممتا کا سمندر بنا کر پیش کرتا ہے یا پھر برائیوں کا مجموعہ بنا کر اسے طوائف، حاسد اور چڑیل بنا دیتا ہے۔ عورت کے کردار کی یہ پیش کش ادبی روایت میں اتنی اہم ہے کہ تاج میں عورت کا عام تصور ان دو انتہاؤں میں ہی قید ہے۔ عورت

ایک عام انسان کی طرح کسی ماحول یا حالت میں کس قسم کے ردعمل میں آزاد نہیں بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ اگر اچھی عورت ہے تو اپنے گھر اور خاندان کے لیے ہر قربانی دے دے وگرنہ دوسرا راستہ صرف ''بری عورت بنے کا ہے۔ املین شووالٹر نے لکھا ہے کہ جن خواتین نے ۱۸۴۰ء کے آس پاس اپنے ادبی سفر کا آغاز کیا وہ پیشہ وارانہ مثالی کرداروں اور ادبی کرداروں کی صورت میں ایسے نسوانی کرداروں کی تلاش میں تھیں جن میں قوت اور ذہانت کا امتزاج ہو۔ ان میں تدبر اور ہوشیاری بھی ہو اور گھریلو مہارت بھی۔ وہ دراصل ایسی مثالی ہیروئن کا کردار پیش کرنا چاہتی تھیں جو اگلی نسل کے لیے رول ماڈل بن سکے۔ یعنی اچھا ادبی نسوانی کردار عورت کی زندگی کا ایک ہی رخ پیش نہیں کرتا بلکہ اس کی ذات کے اچھے برے، چھوٹے بڑے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ایک ایسی عورت کو پیش کرنا لکھنے والیوں کا مقصد ہونا چاہیے جس کے پاس حسن ونزاکت ہی نہیں فہم ودانش بھی ہو۔ تانیثی فکر عورت کو ایک آزاد وجود کی حیثیت دینے اور اس حیثیت سے اس کی کردار نگاری کا مطالبہ کرتی ہے۔

بیٹی فرائیڈن نے میڈیا اور پریس کی طرف سے عورت کی تصویر کشی کو بھی تنقیدی نظر سے دیکھا ہے۔ خاص طور پر میگزین جس طرح ایک خوب صورت نوعمر، بچکانہ اداؤں اور معصومیت سے لبریز لڑکی کو پیش کرتا ہے، جس کا تعلق کچن، بیڈروم، کھانے، کپڑوں اور کاسمیٹکس سے ہے۔ اس سے ایک عام عورت کی سوچ اور زندگی کی عکاسی نہیں ہوتی۔ کیا عورت سے مراد صرف نوعمر لڑکی ہے؟ پینتیس، چالیس یا پچاس سال کی عورت کیا زندگی سے باہر ہے؟ اسی طرح ان رسائل میں چھپنے والا فکشن بھی ایک ایسی ہیروئن کو پیش کرتا ہے جو اپنا کیریئر چھوڑ کر گھریلو بن جاتی ہے۔ میڈیا بھی اسی کردار کو پیش کرتا ہے جو "What women should be" کا عکاس ہے۔ سماجی اور ثقافتی قدروں کے مطالبے پر عورت کو اپنی مرضی کے خانوں میں فٹ کیا جاتا ہے۔ عورت کے اس قسم کے کرداروں نے اس عقیدے کو راسخ کیا ہے کہ عورت کی آزادی سے اس کی نسوانیت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ وہ اچھی عورت نہیں رہتی اور اس کا گھر ٹوٹ جاتا ہے۔ گھر مرد کی نہیں عورت کی ذمہ داری ہے۔ ریاستی حقوق میں تو عورت کو شریک کرنے کا سوچا جا سکتا ہے مگر اخلاقی سطح پر اور دانش میں وہ مرد کے برابر نہیں سمجھی جاتی۔

تانیثی تنقید عورت کے روایتی کرداروں کے مطالعے سے اس ناانصافی کو سامنے لاتی ہے جو عورت کی کردار نگاری کے حوالے سے اس کے ساتھ روا رکھی گئی ہے۔ اسے معاشرے کے مطالبات اور مردانہ خواہشات سے اس طرح مزین کیا گیا ہے کہ اس کی انفرادیت اور شخصیت کی نفی ہوتی ہے۔ عورت کے کردار یا اس کے ادب کا مطالعہ صرف جنسی تفریق کے حوالے سے نہیں بلکہ ثقافتی ضابطوں اور روایات کے حوالے سے کیا جانا چاہیے۔

عورت کی ثانوی حیثیت اور دبے ہوئے سماجی مرتبے کا اظہار اس کی زبان سے بھی ہوتا ہے۔ تانیثی لسانی تحقیق کا مرکز دو اہم سوال رہے ہیں۔ ایک مردانہ حاکمیت اور دوسرا عورت اور مرد کی گفتگو کا فرق۔ ایک طرف سماجی قدریں مرد اساس ہیں اور عورتوں کو دبے ہوئے اور کمزور لہجے میں بات کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔ دوسری طرف مردوں کے انفرادی رویے بھی ہیں جن کے تحت وہ عورتوں کے حقوق پامال کرتے ہیں اور ان سے سخت رویہ اپناتے ہیں۔ عورتوں کی زبان کا پہلا لسانی تجزیہ روبن لیکوف نے کیا۔ اس نے عورتوں پر سماجی اور سیاسی دباؤ اور ایک گروہ کے طور پر ان کے لسانی رویوں پر اس کے اثرات کا مطالعہ کیا۔

تانیثی لسانی تجزیے ظاہر کرتے ہیں کہ عورت پن کے ساتھ بے اختیار، کمزور اور غیر یقینی لفظیات ہی ملزوم سمجھی جاتی ہیں۔ عورتوں کی زبان محکومانہ عناصر سے پر ہوتی ہے۔ اس میں جھجک اور غیر یقینی انداز نمایاں ہوتا ہے۔ دعوے کا انداز نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس مردانہ گفتگو براہ راست ٹھوس انداز اور اعتماد پر مبنی ہوتی ہے۔ تانیثی لسانی تجزیوں سے ایک طرف زبان میں طاقت کی نشاندہی کرنے والے عناصر سامنے آئے اور دوسری طرف عورتوں میں یہ احساس پیدا ہوا خوبی موجود ہو۔ دوسری طرف ''واشگاف انداز'' کو صرف ردعمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ ایسا کرنے کی صورت میں ہم عورت کو پھر ایک سماجی ضابطے کا پابند کرتے ہیں کہ اس کا انداز اظہار دھیما اور پوشیدہ ہی ہونا چاہیے۔ وہ براہِ راست انداز میں بات نہیں کر سکتی اور پھر جسے ردعمل کہا جا رہا ہے وہ انفرادیت بھی ہو سکتی ہے۔ عورتوں کی زبان عورتوں کی سماجی حیثیت سے متاثر ہوتی ہے۔ مردانہ معاشرے میں عورت کے دھیمے لہجے کو ایک قدر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لیے عورتوں کی گفتگو اور زبان میں 'رازداری کی وہ خصوصیات پیدا ہوتی ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر ناصر عباس نے کیا

ہے۔

''تانیثی تنقید'' کا باقاعدہ آغاز بیسویں صدی کی چھٹی دہائی کے بعد کے دور کو مانا جاتا ہے۔ عالمی سطح پر بیسویں صدی کے وسط سے ''تانیثیت کی تحریک'' کا فروغ کافی تیزی سے ہونے لگا تھا اور تحریک کے اثرات سماجی نظام کے مختلف شعبوں میں نظر بھی آنے لگے تھے۔ اس تحریک سے وابستہ مفکرین ومحرکین نے تمام شعبہ ہائے حیات میں نسائی فکر واحساس کی عدم موجودگی اور خواتین کے تجربات اور ان کے فکری کارناموں پر عدم توجہ کی نشان دہی کی نیز علم وادب اور تعلیم وتحقیق کے شعبوں میں نسائی فکر واحساس کی عدم شمولیت پر سخت تنقید میں کیں۔ ان کی شمولیت پر کافی زور دیا۔ بلکہ نسائی نقطہ نظر سے، تاریخی سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی سیاق کے مطالعہ کو سماج کے لیے ناگزیر قرار دیا۔ لہذا ادب کے تناظر میں اس خاص طرز فکر کے ساتھ کئی ایک کتابیں منظر عام پر آئیں۔

اردو میں تانیثی تنقید بھی دیگر جدید تنقیدی نظریات کی طرح مغربی افکار کی دین ہے اگر چہ مغربی زبانوں کے ادب میں تانیثی نظریات یا نقد ادب کے سلسلے میں تانیثی نقطہ نظر کی شروعات کو عرصہ ہو گیا تاہم اردو میں تانیثی تنقید کے باقاعدہ آغاز کو دیکھیں تو وہ ہمیں پچھلے تقریباً تین دہوں پر محیط نظر آتا ہے۔ اردو میں تانیثی تنقید کے رجحان کو مابعد جدیدیت دور میں فروغ ملا۔ مابعد جدیدیت کے دور میں وسائل وذرائع سوچ وفکر کے حوالے سے مرکزیت کے تصور کو ختم کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں سماج میں حاشیائی حیثیت کے حامل افراد کی طرف توجہ مبذول ہوئی اور ان کے علمی عملی وفکری کارناموں کو منظر عام پر لانے کی کوششیں تیز ہونے لگیں۔ چنانچہ کسی حد تک خواتین کے ادب پر بھی توجہ دی جانے لگی اور ادب کو تانیثی نقطہ نظر سے جانچنے پرکھنے کے رجحان کی ابتدا بھی ہوئی۔ مابعد جدید دور میں تانیثی نقطہ نظر کے فروغ کی وجہ بتاتے ہوئے اردو کے نظریہ ساز نقاد گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں:

''مابعد جدیدیت ایک کھلا ڈھلا ذہنی رویہ ہے۔ تخلیقی آزادی کا، اپنے تشخص پر اسرار کرنے کا معنی کو سکہ بند تعریفوں سے آزاد کرنے کا مسلمات کے بارے میں از سر نو غور کرنے کا اور سوال اٹھانے کا، دی ہوئی ادبی لیک کے جبر کو توڑنے کا، دوسرے لفظوں میں تخلیق کی آزادی اور

تکثیریت کا فلسفہ ہے۔ سماج کے دبے کچلے افراد کی طرح عورت'' بھی صدیوں تک مرد سماج کا دوسر یعنی (Other) کبھی جاتی تھی۔ اب سماجی ڈسکورس کے قلب میں آ گئی ہے۔ نسوانیت کی تحریک پہلے کی ہے لیکن اسے زیادہ تقویت اب ملی ہے۔''

بیسویں صدی کی آخری دہائی میں اردو کے نقادوں نے تانیثی تنقید کے متعلق مغربی نظریات کی جانب توجہ دینی شروع کی۔ تانیثی تنقید کے تعلق سے مغربی مفکرین کے خیالات کو اردو میں متعارف کرانے والے ناقدوں میں سب سے پہلا نام گوپی چند نارنگ کا ہے۔ جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے ساتھ ساتھ انھوں نے اردو میں، ژاک، امین شودوالٹر، دریدا، جولیا کرا سٹیو اوغیرہ کے تانیثی افکار کو پیش کیا ہے۔ جسے اردو کے دیگر ناقدین نے بھی اپنی توجہ کا مرکز بنایا اور پھر مغربی نظریات کے حوالے سے اردو میں مضامین لکھے جانے لگے۔

اردو زبان کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو ہندوستان میں تانیثی تنقید پر کوئی باقاعدہ کتابوں کی اشاعت کا سلسلہ ابھی نظر نہیں آتا ہے۔ البتہ پاکستان میں اس نظریے تنقید پر بے حد اہم کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ''فیمنزم اور ہم، خاموشی کی آواز، ادب کی نسائی رد تشکیل، عورت خواب اور خاک کے درمیان، عورت زندگی کا زنداں وغیرہ چند ایک قابل ذکر نام ہیں۔ اردو میں تانیثی تنقید کے نظریے کے لیے ہمارے ناقدین کو چاہیے کہ وہ ہندوستان کی پوری تاریخ و تہذیب کے منظر نامے کو سامنے رکھیں۔ چونکہ ہندوستانی سماج کے تناظر میں تانیثی فکر کی آبیاری میں بے شمار رکاوٹیں نظر آتی ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ رجحان یہاں پر اس رفتار سے فروغ نہیں پا رہا ہے جتنا کہ مغربی زبانوں میں تنقیدی ادب کے حوالے سے نظر آتا ہے۔

''اردو میں چونکہ تانیثی نظریے کو کسی طاقت ور رجحان کی صورت میں ابھی پنپنے کا موقع نہیں ملا، اس لیے انفرادی کوششوں کی اہمیت کے باوجود بھی نسائی جمالیات کی تشکیل ہونا باقی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نسائی جمالیات میں تانیثی نقطہ نظر کے ساتھ ادب کی تفہیم ہیت و مواد کے توازن اور تخلیقی فن پاروں کے تعین قدر کے مسائل نئے سرے سے مرتب ہوں گے اور اسی صورت میں ہم تانیثیت کو نظریے کی سطح سے بلند کر کے فنی سطح تک لا سکتے ہیں۔''

دراصل حقیقت یہ ہے کہ اردو ادب میں آج بھی تانیثی تنقید کو شجر ممنوعہ مجھنے کا رجحان

غالب ہے۔یہی وجہ ہے کہ اردو میں تانیثی تنقید اب تک آزاد ایسے پھل پھول نہ سکی۔یہی وجہ ہے کہ مستقبل میں تانیثی تنقید کی سمت ورفتار کیا ہوگی اور منظر نامہ کس نوعیت سے تبدیل ہوگا یہ کہنا ابھی تھوڑا مشکل ہے۔تاہم اس ضمن میں چند ایک وسیع النظر افراد کی تحریروں کے پیش نظر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ادب کے حوالے سے عورت کو انسان کی حیثیت سے قبول کرنے اور اس کے اظہار ذات کی پیچیدگیوں کو سمجھنے کی کوششیں امید افزا ہیں۔یقین ہے کہ آنے والے وقت میں یہ رجحان اردو میں ایک جدید نظریہ تنقید کی حیثیت سے اپنا گہرا رشتہ بنالے گا۔

تانیثیت اور تانیثی تنقید کی افادیت تب متعین ہوئی جب اس نے اپنے عہد کے، سماجی، سیاسی بلسانی اور تھیوری کے متعلق فلسفوں سے روشنی حاصل کرنی شروع کیا مثلاً مارکسی تھیوری، ساختیات، پس ساختیات، فلسفہ لسان، نفسیات، سماجی، سائنسی تحلیل نفسی، تاریخ وغیرہ کے علوم سے تانیثیت پسندوں نے استفادہ حاصل کیا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ ان علوم میں عورت کو کس طرح پیش کیا گیا ہے یا انھیں جہاں بھی نظر انداز کیا گیا ہے تو کیوں؟ تانیثی تنقید کی انفرادیت کو سمجھنے کے لیے سب سے زیادہ فکشن کے مطالعے پر زور دیا گیا۔اس تنقید کے ذریعہ شاعری کا مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے لیکن فکشن پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔سب سے پہلے تانیثی فکشن کے بیانیے کے تجزیے کے ذریعے اس بات پر ذہن کو مرکوز کیا گیا ہے کہ کیا بیانیہ کی سطح پر مرد عورت الگ الگ ہو سکتے ہیں یا ان میں کیا فرق ہے؟ تانیثی بیانیہ کا بھی کوئی مقصد یا وجہ ہے؟ تانیثی ناقدین اس کا مثبت جواب دیتے ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ عام طور پر خواتین کی تحریروں میں خود نوشت کا انداز حاوی ہو کر سامنے آیا ہے۔تحقیق سے یہ بات بھی ثابت کی گئی ہے کہ عورت شخصی ضمائر کا استعمال مردوں کے مقابلے زیادہ کرتی ہیں۔علاوہ ازیں مرد اپنی تحریروں میں مذہبی اصطلاحیں زیادہ استعمال کرتے ہیں اور عورت سیکولر الفاظ کا استعمال زیادہ کرتی ہیں۔اس کے علاوہ بھی عورتوں کے محسوسات اور تجربات مردوں کے مقابلے میں الگ ہوتے ہیں۔اس بارے میں ایک اور سوال ذہن میں گردش کرتا ہے کہ کیا کسی متن کو کوئی قاری اپنے قابو میں کر سکتا ہے؟ اس بحث کے مدنظر نیثی نقاد کیا ورتانیثی قرات کی طرف توجہ دلاتی ہیں اور اردو ادب میں ایک اور نئے تنقیدی مکاتیب فکر کے ذریعے اپنی دلیلیں پیش کرتے ہوئے اس تنقید کا مقصد اس طرح بیان کرتی

ہیں کہ متن کو مرد اساس قدروں سے دور لے جاتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ تانیثی قرات کا مقصد صاف ہے۔ یہ مرد اساس ذہنیت کا پردہ فاش کرتی ہے اور تانیثی کلچر کے لیے راہ ہموار کرتی ہے۔تانیثی ادب اور نقاد تانیثی زبان پر حد درجہ غور وفکر کرتے نظر آتے ہیں۔

زیادہ تر ادیباؤں اور ناقدوں نے عورتوں اور مردوں کے جملوں کے فرق پر توجہ دی ہے اور کہا ہے کہ عورتوں کے جملے ڈھیلے ڈھالے ہوتے ہیں۔ہاں ایک بات ضرور ہے کہ عورتیں مردوں کے وضع کردہ اصولوں کو استعمال کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔آج تمام کاوشوں سے تانیثی تنقید کا رشتہ تحلیل نفسی، ساختیات، پس ساختیات کے علاوہ ماحولیاتی تنقید اور نئی تاریخیت سے بھی جڑ چکا ہے لیکن تانیثی تنقید کا رشتہ تاریخیت سے اس وقت الگ ہو جاتا ہے جہاں تانیثی نقاد ادب کے لیے اسلوبیات کے وجود کو ناگزیر مانتے ہیں۔تانیثی تنقید کا اسلوبیاتی تنقید سے بڑا گہرا رشتہ ہے۔ اس لیے تانیثی تنقید کی ایک شاخ تانیثی اسلوبیات کی شکل میں سامنے آئی ہے۔کیونکہ تانیثی ناقدین نے عورت اور مرد کی زبان کے افتراقات پر زور دیا ہے۔اس ضمن میں اسلوبیات نے ان کے لیے ایک معاون ادبی مطالعے کا ڈسپلن پیش کیا ہے۔تانیثی نقادوں کا ماننا ہے کہ اسلوب، تا حیثیت اور سیاق کے درمیان پیچیدہ رشتہ ہوتا ہے۔انھوں نے مرد اور عورت کے ادبی اسالیب پر انتہائی پر مغز مقالہ پیش کیا ہے۔اردو میں تانیثی تنقید کا ایک اہم سنگ میل جس کا باقاعدہ آغاز 2000 میں شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی میں منعقدہ سیمینار سے ہوا۔اس سیمینار، کانفرنس کا عنوان ''بیسویں صدی میں خواتین اردو ادب تھا۔سیمینار کا انعقاد اردو کے مشہور اور اہم ناقد پروفیسر عتیق اللہ کی کوششوں سے عمل میں آیا تھا۔اردو کے جن ادیبوں کی تنقید میں تانیثی رجحان ملتا ہے ان میں شمس الرحمن فاروقی، گوپی چند نارنگ بتیق اللہ سید عقیل احمد، دیوندر انٹر، ابوالکلام قاسمی، قاضی افضال، نظام صدیقی محمود شیخ، یوسف سرمست، ظہیر الدین عقیل احمد صدیقی، خالد اشرف علی احمد فاطمی، سلیم شہزاد، حقانی القاسمی، مشتاق احمد وانی، ناصر عباس نیر، اکرم کنجاہی، ریاض صدیقی، انیس ناگی، وارث میر، نعیم صدیقی منیر احمد، امین حسن، یاسر جواد ضمیر علی بدایونی عبدالعزیز ہاشمی، ندیم احمد، امتیاز احمد علیمی وغیرہ کا نام قابل ذکر ہیں۔شمس الرحمن فاروقی کا شمار اردو زبان کے قد آور ناقدین میں ہوتا ہے۔تنقید کے میدان میں انھوں نے جو کچھ لکھا بے باک لکھا۔مختلف اصناف کی

تنقید پر ان کی تقریباً آدھا درجن سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جسے اردو تنقید میں قابل قدر اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ شمس الرحمن فاروقی کا مطالعہ بہت وسیع ہے مغربی ادب پر ان کی گہری نظر ہے۔ انھوں نے اسلوبیاتی، لسانیاتی اور صوتیاتی نظریے کو پیش نظر رکھا جس سے ادب کی تفہیم میں مدد مل سکے۔ وہ تنقیدی افکار کسی سے مستعار نہیں لیتے بلکہ اپنے افکار خود قائم کرتے ہیں اور اس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ ان کے یہاں تنقید ایک سنجیدہ علم کی حیثیت رکھتا ہے نہ کہ ادبی ذوق کی دینی پیداوار ہے۔ یہاں پر شمس الرحمن فاروقی کے تانیثی تنقید کا جائزہ لیا جائے گا۔

تانیثیت کی تفہیم کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی کا ماننا ہے کہ تانیثیت کے دو بنیادی تصورات ہیں۔ پہلا: بنی نوع انسان، دو طبقے مرد اور عورت میں بٹا ہوا ہے۔ دونوں اپنے اپنے طبقے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کرتے چلے آ رہے ہیں۔ مرد و عورت دونوں کے طبقے کے باہمی تعلقات کی آویزش کا مطالعہ جنس (Gender) کے اصطلاحی لفظ کے تحت ہوتا ہے۔ جنس اور صنف یعنی Gender اور Sex دونوں کے تصور مختلف ہیں۔ اس کی تفصیل کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں:

''عورت اور مرد کے درمیان صنفی اختلاف کی بنیاد پر کسی طبقے کو کم تر یا بہتر نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یعنی یہ کہنا غلط ہے کہ عورت بطور صنف نازک مرد کے مقابلے میں کمزور یا کم عقل ہے۔ یہ بھی کہنا غلط ہے کہ بعض خصوصیات مثلاً نازک دلی، رفیق الفلمی، شرم و حیا، ضد وغیرہ عورتوں میں مردوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں عورتوں کے بارے میں تصورات معاشرے میں رائج ہیں وہ اصلاً اور اصولاً معاشرہ کے وضع کردہ ہیں حقیقی نہیں''

عورتوں کے بارے میں جو بھی تصورات ہیں وہ حقیقی ہرگز نہیں ہیں بلکہ اصلا اور اصولاً معاشرے کے ذریعہ رائج کردہ خیالات ہیں۔ شمس الرحمن فاروقی نے تانیثیت کے چند اصول بیان کیے ہیں جو کہ اوپر بیان کیے اصولوں کی روشنی میں متعین ہوتے ہیں۔

1۔ پہلا یہ کہ کسی متن کی قرات کے دو طریقے ہو سکتے ہیں ایک مردوں کا دوسرا عورتوں کا اور دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔

2۔ مردوں کے تخلیق کردہ متن میں عورتوں کے خلاف شعوری یا غیر شعوری تعصب

ضرور ہوگا۔

3۔ادب کی تاریخ پر بلکہ تمام تاریخ پر ہمیشہ سے مردوں کا غلبہ رہا ہے اس لیے ادب کی دنیا سے تانیثی نقطہ نظر اور ادبی متون کی فہرست سے عورتوں کے متون کا شعوری یا غیر شعوری طور پر اخراج کیا جاتا رہا ہے۔

4۔نام نہاد زنانہ جذبات کا اظہار تانیثی ادب کا حق ادا نہیں کر سکتے۔تانیثیت اس کی نفی کرتی ہے لیکن اس بات کی توثیق بھی کرتی ہے کہ عورت کی اپنی شخصیت ہے اور اسے الگ سے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ فیمنزم تاریخ وتنقید
شہناز نبی

۲۔ اردو ادب میں نسائی تنقید
عظمیٰ فرمان فاروقی

۳۔ تانیثی تنقید
ساجدہ زیدی

۴۔ تانیثی تنقید نظریات ومباحث
ڈاکٹر آمنہ تحسین

۵۔ تانیثیت ایک مطالعہ
پروفیسر عتیق اللہ

۶۔ مابعد جدیدیت-اردو کے تناظر میں
گوپی چند نارنگ

۷۔ تانثیت کی تفہیم
شمس الرحمٰن فاروقی

۸۔ نسائی شعور

ضمیر علی بدایونی

۹۔ عورت

یاسر جواد

۱۰۔ فیمنسٹ ادب کا مسئلہ

ریاض صدیقی

۱۱۔ خواتین کی اختیار کاری اور جنسی مساوات ملکی و عالمی تناظر میں خواجہ عبدالمنتقم

Address : Plot No. 10 Near Sana Primary School, Chaitanaya Nagar,Taroda (BK.) Nanded 431 605 Maharashtra

☆☆☆